عمران جانثار ساتھیوں کو ترستا رہے گا

تحریر: سہیل احمد لون

پاکستان میں اقتدار کی ناؤ جمہوریت اور آمریت کے چپوؤں پر چلتی رہی ہے۔قیام پاکستان کی ابتدائی دہائی ہی اب تک کا سنہری باب ثابت ہوئیں اس کے بعد معیشت سمیت دیگر قومی معاملات پستی کی طرف گامزن ہوگئے جس میں آمرانہ ادوار سمیت ''جمہوری'' ادوار بھی شامل ہیں۔فوجی، لیگی اور پی پی ادوار کے بعد عوام نے بالآخر اپنا ذہن تبدیل کرکے تبدیلی سرکار کو ووٹ دیا جنھوں نے گزشتہ چند برسوں میں خصوصاً نوجوان نسل کو بہت سنہری خواب دکھائے تھے۔عمران خان نے بھی حسب روایت اقتدار میں آنے کے بعد ایسے لوگوں کو وزیر اور مشیر بنالیا جو ذاتی مفادات کو قومی مفادات پر ترجیح دیتے ہیں اگر وہ اتنے ہی جمہوری ہوتے تو اپنی سابقہ سیاسی ساتھیوں سے وفاداری نبھاتے۔کرکٹ ٹیم میں عمران خان بطور کپتان سولہ کھلاڑی ہی میرٹ پر اپنی مرضی کے سلیکٹ کرتا تھا بدقسمتی سے سیاسی میدان میں بھی عمران خان نے حقیقی تحریک انصاف کے صرف سولہ سیاسی ورکرز کو ہی موقع دیا ہے اسکے علاوہ اگر دیکھا جائے تو باقی سب مفاد پرست فصلی بٹیرے ہی ہیں۔موجودہ حکومت کے آٹھ ماہ کا جائزہ لیا جائے تو جتنے خواب پاکستانی عوام کو دکھائے گئے تھے انکو پورا کرنے کی ابھی تک سمت کا تعین ہوتا نظر نہیں آرہا۔سب سے بڑا اہم صوبہ پنجاب ہے جہاں پر ایسے بندے کو وزیر اعلیٰ بنا دیا گیا جو میاں برادرز کے مافیا کے سامنے بالکل بے بس دکھائی دے رہا ہے اسی طرح وزارت خزانہ کا قلمدان حاصل کرنے والے اسد عمر نے بھی کوئی حوصلہ افزا کارکردگی نہ دکھانے کی وجہ سے مستعفی ہوگئے یا اُن سے استعفا طلب کرلیا گیا۔قومی اسمبلی کے سپیکر اپنے رویے سے نون لیگ کے فین ہی لگتے ہیں۔ عمران خان کو عوام نے اس لیے منتخب کیا تھا کہ وہ معاشی دہشت گردوں سے انکی لوٹی ہوئی رقم واپس لیں گے اور ملکی خزانہ لوٹنے والوں کو قرار واقعی سزائیں بھی ہونگی۔مگر ہماری عدلیہ خصوصاً لاہور ہائی کورٹ نے نون لیگ سے جس شفقت کا مظاہرہ کیا ہے ایسی مثال شاید اسلامی جمہوریہ پاکستان کے علاوہ کہیں نظر بھی نہ آئے۔آصف علی زرداری بھی یقیناً اب مطمئن ہونگے کہ انکے ساتھ بھی قانون ایسی ہی رعایت برتے گا۔مریم صفدر کے دیکھا دیکھی بلاول زرداری نے بھی ابو بچانے کے لیے مہم چلائی ہوئی ہے۔تعجب ہوتا ہے بلاول زرداری عمران خان کو سلیکٹڈ وزیر اعظم کہتا ہے، دنیائے جمہوریت میں آج تک کوئی وصیت کے دستاویزات دکھا کر سیاسی جماعت کا سربراہ نہیں بنا مگر آصف زرداری نے جمہوریت سے انتقام لینے کے لیے وصیت کا سہارا لیا، اسکے بعد اپنے بیٹے کو سیاسی جماعت کا چیئر مین بنا دیا جو کبھی کونسلر کا انتخاب بھی نہیں لڑا۔مگر ''جمہوریت'' شاید اسی کو کہتے ہیں۔اب ''جمہوریت'' کو بچانے کے لیے نون لیگ، پی پی پی، سمیت دیگر سیاسی جماعتیں عمران خان کے سامنے کھڑی ہیں۔ بلاول جہاں سے تعلیم حاصل کر کے گئے ہیں کیا وہاں لیبر یا کنزویٹو پارٹی میں پیراشوٹ انٹری دیکر سیاسی جماعت کا سربراہ بن سکتے تھے؟ برطانیہ کی دونوں بڑی سیاسی جماعتوں کا اگر جائزہ لیا جائے تو لیبر پارٹی انیسویں صدی کے آخری عشرے میں بنائی گئی James Keir Hardie اس کے بانی تھے وہ لیبر پارٹی کے پہلے ممبر آف پارلیمنٹ تو بنے مگر وزیر اعظم

نہ بن پائے۔ 1924ء میں لیبر پارٹی کے پہلے وزیراعظم بننے کا اعزاز Ramsay MacDonald کے حصے میں آیا۔ اٹھارویں صدی میں Whig Party کے نام سے بننے والی پارٹی "Tory" میں تبدیل ہو کر بالآخر "Conservative" بن گئی۔ جسے برطانیہ میں سب سے زیادہ حکومت کرنے کا اعزاز بھی حاصل ہے ۔ اس میں Sir Robert Peel، Sir Winston Churchill, سمیت آئرن لیڈی Margaret Thatcher جیسے نام شامل ہیں۔ اگر جرمنی کی سیاست پر ایک نظر ڈالی جائے تو وہاں بھی دو بڑی سیاسی جماعتیں ہیں سب سے پرانی سیاسی جماعت SPD ہے جو 1875ء میں بنائی گئی۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد جرمن قوم کو ایک نئے جذبے سے اٹھانے کے لیے دوسری بڑی سیاسی جماعت CDU کا قیام عمل میں آیا۔ 15 ستمبر 1949ء کو Konrad Adenauer نے CDU کے پلیٹ فارم سے پہلا جرمن چانسلر بننے کا اعزاز حاصل کیا۔ وہ چار مرتبہ جرمن چانسلر منتخب ہوئے اور کسی بھی جمہوری حکومت میں 87 برس کی عمر میں ملک کی سربراہی کرنے کا ان کا ریکارڈ تھا جو گزشتہ دنوں ملائشیا کے مہاتیر محمد نے توڑا۔ انہوں نے اپنے پندرہ برس کے اقتدار میں فلائی اوور، انڈر پاس اور موٹر وے بنانے سے زیادہ جمہوریت کو فروغ دیا، عوام کو بنیادی سہولیات فراہم کیں اور سب سے زیادہ توجہ تعلیم اور صحت پر دی۔ 1990ء تک جرمنی کی معاشی حالت دنیا کے بہترین ممالک میں شامل ہو گئی۔ برطانیہ کی لیبر پارٹی اور کنزرویٹو پارٹی اسی طرح جرمنی کی SPD اور CDU میں ایک بات مشترک ہے کہ وہ حقیقی جمہوری سیاسی جماعتیں ہیں۔ ان پر کسی خاندان یا شخص کی اجارہ داری نہیں ہے جرمنی والے ہٹلر کی وجہ سے اتنے محتاط ضرور ہو گئے کہ انہوں نے کبھی کسی غیر ملکی کو اپنی سیاسی جماعت کا سربراہ نہیں بنایا کہیں وہ بھی ہٹلر جیسا آمر نہ بن جائے۔ مگر برطانیہ میں اس بات کا بھی خوف نہیں۔ یہاں پاکستانی نژاد صادق خان لندن کا میئر منتخب ہو گیا اور اس وقت ساجد جاوید ہوم منسٹر کے کلیدی عہدے پر کام کر رہے ہیں اور ممکن ہے کہ تھریسا مئے کے بعد پارٹی کی قیادت بھی سنبھال لیں جس سے وہ ممکنہ وزیراعظم بھی بن سکتے ہیں۔ لیبر پارٹی یا کنزرویٹو پارٹی میں عہدوں کے لیے باقاعدہ انتخابات ہوتے ہیں۔ برطانیہ میں حالانکہ کوئی تحریری آئین موجود نہیں اس کے باوجود کوئی شخص جس کا تعلق کسی بھی مذہب، فرقے، نسل، یا جنس سے ہو وہ سیاسی جماعت اور ملک کی قیادت کرے تو غیر آئینی نہیں۔ وطن عزیز میں گزشتہ چند دہائیوں سے دو سیاسی جماعتیں جمہوریت کے نام پر باریاں لے رہیں تھیں اور ان کے درمیان تبدیلی کے لیے سویٹ ڈش کے طور پر بوٹوں والے آ جاتے ہیں۔ عمران خان نے تبدیلی کا نعرہ لگا کر تحریک انصاف کی بنیاد رکھی۔ متحدہ قومی موومنٹ بھائی کے گرد، ق لیگ چوہدری برادرز کے قبضے میں، نون لیگ پر میاں برادرز کے خاندان کی اجارہ داری، پیپلز پارٹی پر بھی بھٹو خاندان کی مہر لگ چکی ہے چاہے وہ جعلی ہی کیوں نہ ہو۔ جماعت اسلامی میں کسی حد تک ایسا نظام ہے کہ اس پر کسی شخص کے خاندان کا قبضہ نہیں مگر جماعتی عہدوں پر انتخابات وہاں بھی جمہوری طرز کے نہیں۔ عمران خان جمہوریت کی مثال اکثر برطانیہ کی دیتے ہیں مگر وہ بھی انٹرا پارٹی الیکشن میں برطانوی ماڈل متعارف کروانے میں ناکام ہیں۔ انٹرا پارٹی الیکشن میں بھی مخصوص ٹولہ قابض تھا۔ پیرا شوٹ سے جماعت میں داخل ہونے والے اعلیٰ عہدوں کے لیے Nominate کیے گئے جو dominate کر گئے اور وہ لوگ جو پہلے دن سے عمران خان کے نظریات کے ساتھ کھڑے قربانیاں دے رہے تھے ان کو قربانی کا بکرا بنا دیا گیا۔ ایک مرتبہ پھر انٹرا پارٹی الیکشن کا اعلان کیا گیا تھا جس کے بعد ملک گیر مہم چلائی گئی، ایس ایم ایس کے ذریعے ممبر شپ لی گئی، عمران

خان کے نظریاتی ورکروں نے دن رات محنت کی مگر نتیجہ وہی رہا۔عمران خان نے آکسفورڈ یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی اور یہاں زندگی کا بیشتر حصہ بھی گزارا لیکن اُس کے اندر کا دیسی جمہوریت پسند دفن نہیں ہو سکا۔ یہاں ٹریڈ یونین یا سٹوڈنٹ یونین کے انتخابات ہوں یا کسی سیاسی جماعت کے انٹرا پارٹی الیکشن وہ خالصتاً جمہوری طریق سے ہوتے ہیں اس بات کی عمران خان مثالیں تو دیتے ہیں مگر عمل کرنے اور کروانے کی بات آتی ہے تو ایک مکروہ اور کوڑ زدہ آمرانہ دلہن کو جمہوریت کا میک اپ کروا دیا جاتا ہے۔عمران خان کو بھٹو کی تصویر اپنے کمرے میں لگا کر رکھنی چاہیے تا کہ اُسے یاد رہے کہ بھٹو نے بھی اپنے وفا دار ساتھیوں کو ذلیل کر کے چھوڑ دیا تھا اور پھر کال کوٹھری میں نصرت بھٹو سے ایک ہی سوال کرتا تھا' کیا عوام میرے لیے نکلیں گے؟ دیکھنا یہ ہے کہ عمران اپنے اصل کی طرف لوٹتا ہے یا ایک بھیانک سیاسی مستقبل اُس کا منتظر ہے جہاں اُس کا کوئی جانثار نظر نہیں آئے گا۔اقتدار آتے جاتے رہتے ہیں لیکن جانثار ساتھی قسمت سے ملتے ہیں لیکن عمران خان نے اُن کو اپنے ہاتھوں سے دفن کر کے خود اپنے اقتدار کے مقبرے کی پہلی سیڑھی اتر گیا ہے۔

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔سرے

sohailloun@gmail.com

28-04-2019